AL-HAYAT Research Journal
HJRS HEC Journal Recognition System
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print):: 3006-4759
Volume 3 Issue 3 (April-June 2026)

خبرِ واحد کی حجیت: محدثین اور اصولیین کے مناہج کا تقابلی و تحقیقی مطالعہ

The Authority of Khabar al-Wāḥid: A Comparative and Analytical Study of the Methodologies of Hadith Scholars and Legal Theorists

Dr. Mirza Safdar Baig

Assistant Professor, Department of Islamic studies, University of OKARA, mirzasafdar5@gmail.com

Hafiza Muqadas Asghar

MPhil Islamic Studies, International Islamic University, Islamabad

muqadasasghar789@gmail.com

Sidra tul Muntaha

MPhil Islamic studies, Allama Iqbal Open University Islamabad

s03081561994@gmail.com

Abstract

This article examines the authority of Khabar al-Wāḥid through a comparative and analytical study of the methodologies of Hadith scholars and legal theorists. Khabar al-Wāḥid refers to a report that does not reach the level of tawātur, even if it is transmitted by more than one narrator. The study argues that the debate on Khabar al-Wāḥid is not merely a technical discussion in hadith sciences; rather, it is directly connected with the authority of Sunnah, principles of legal reasoning, and the derivation of Islamic rulings. The article first clarifies the conceptual and terminological background of Khabar al-Wāḥid and then discusses the position of the majority of Muslim scholars regarding its authority in practical legal matters. It highlights that Hadith scholars primarily focus on the authenticity of transmission by examining the continuity of the chain, reliability and precision of narrators, absence of irregularity, and hidden defects. Legal theorists, on the other hand, examine the epistemological value, legal authority, textual implication, possible conflict with other evidences, specification of general texts, restriction of absolute texts, analogy, and practical application of such reports. The study finds that the difference between Hadith scholars and legal theorists is mostly methodological rather than fundamental. Both groups recognize the authority of Sunnah and accept authentic Khabar al-Wāḥid as a valid source of legal guidance, though they differ in emphasis, terminology, and conditions of application. The article concludes that a balanced understanding of Khabar al-Wāḥid requires the integration of hadith criticism, legal theory, and juristic application, as these disciplines collectively preserve the authenticity, meaning, and practical relevance of Prophetic traditions.

Keywords: *Khabar al-Wāḥid, Hadith methodology, Usul al-Fiqh, authority of Sunnah, legal reasoning, Islamic jurisprudence*

OPEN ACCESS
CC BY

تمہید

اسلامی علوم کی تشکیل میں قرآنِ مجید کے بعد سنتِ نبوی ﷺ کو بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ فقہ، تفسیر، عقائد، اخلاق، معاشرت، عبادات اور معاملات کے اکثر مباحث میں سنتِ رسول ﷺ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ تاہم سنت تک رسائی کا ذریعہ بنیادی طور پر **روایاتِ حدیث** ہیں، اور روایاتِ حدیث اپنی نقل و اشاعت کے اعتبار سے مختلف درجات رکھتی ہیں۔ انہی درجات میں ایک نہایت اہم بحث **خبرِ واحد** کی ہے۔ خبرِ واحد سے مراد ایسی روایت ہے جو ہر طبقہ میں اس درجہ کثرت سے منقول نہ ہو کہ اسے متواتر کہا جا سکے، اگرچہ وہ سند کے اعتبار سے صحیح، متصل اور قابلِ اعتماد ہو۔ خبرِ واحد کی حجیت کا مسئلہ اسلامی علمی روایت میں محض ایک جزوی یا فنی بحث نہیں بلکہ یہ حجیتِ سنت، اصولِ استدلال، فقہی استنباط، حدیثی منہج، اور شرعی احکام کے اثبات سے براہِ راست تعلق رکھتا ہے۔ اگر خبرِ واحد کو حجت تسلیم کیا جائے تو شریعت کے بہت سے تفصیلی احکام ثابت ہوتے ہیں، اور اگر اس کی حجیت میں تردد کیا جائے تو فقہِ اسلامی کے ایک بڑے حصے کی بنیاد متاثر ہوتی ہے۔ اسی لیے ائمہ حدیث، فقہاء، متکلمین اور اصولیین نے اس موضوع پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے۔ امام شافعیؒ نے **الرسالہ** میں خبرِ واحد کی حجیت کے لیے مستقل دلائل قائم کیے اور اسے سنت کے اثبات کا معتبر ذریعہ قرار دیا، بشرطیکہ راوی ثقہ ہو اور روایت اتصالِ سند کے ساتھ منقول ہو۔ اسی طرح خطیب بغدادیؒ نے روایت کے قبول ورد کے اصول بیان کرتے ہوئے خبرِ واحد کے مقام کو واضح کیا۔

اس بحث کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ محدثین اور اصولیین دونوں خبرِ واحد کو زیرِ بحث لاتے ہیں، مگر دونوں کا زاویۂ نظر ایک جیسا نہیں۔ **محدثین** بنیادی طور پر روایت کی سند، راویوں کی عدالت وضبط، اتصال، شذوذ اور علت جیسے پہلوؤں کو دیکھتے ہیں، جبکہ اصولیین اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خبرِ واحد سے کس نوعیت کا حکم ثابت ہوتا ہے، اس کا قرآن، سنتِ متواتر، عملِ امت، قیاس، عموم بلویٰ اور اصولِ شرعیہ سے کیا تعلق ہے۔ یوں محدثین کا منہج زیادہ تر **روایت کی صحت** پر مرکوز ہے، جبکہ اصولیین کا منہج روایت کی دلالت، حجیت اور فقہی اطلاق پر زیادہ توجہ دیتا ہے۔ یہی فرق اس تحقیقی مقالے کا مرکزی نکتہ ہے۔ اس مقالے میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ خبرِ واحد کی حجیت کے باب میں محدثین اور اصولیین کے مناہج میں بنیادی فرق کیا ہے، یہ فرق محض اصطلاحی ہے یا اصولی، اور اس کے فقہی احکام کے استنباط پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

تعارف

اسلامی علوم میں **خبرِ واحد** کی بحث نہایت بنیادی اور وسیع علمی اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ سنتِ نبوی ﷺ کا ایک بڑا حصہ امت تک اسی طریقِ روایت کے ذریعے پہنچا ہے۔ حدیث کی روایات کو نقل کے اعتبار سے عموماً دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے: **متواتر** اور **آحاد**۔ متواتر وہ خبر ہے جسے ہر طبقۂ سند میں اتنی بڑی جماعت نے نقل کیا ہو کہ عقل و عادت کے مطابق ان کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو، جبکہ خبرِ واحد وہ روایت ہے جو اس درجۂ تواتر تک نہ پہنچے، اگرچہ اس کے راوی ایک سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے خبرِ واحد سے مراد محض "ایک راوی کی روایت" نہیں بلکہ ہر وہ روایت ہے جو کثرتِ طرق کے اعتبار سے قطعی تواتر کے مرتبے تک نہ پہنچی ہو۔ اصولیین اور محدثین دونوں کے ہاں یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے، مگر دونوں کے زاویۂ نظر میں ایک اہم فرق پایا جاتا ہے۔ محدثین عموماً روایت کی سندی صحت، اتصال، راویوں کی عدالت وضبط، شذوذ اور علت کے پہلوؤں کو بنیاد بناتے ہیں، جبکہ اصولیین اس کے ساتھ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایسی روایت سے شرعی حکم کس درجے میں ثابت ہوتا ہے، اس کی دلالت کتنی واضح ہے، اور فقہی استنباط میں اس کا مقام کیا ہے۔

خبرِ واحد کی حجیت کا سوال اس لیے بھی اہم ہے کہ فقہِ اسلامی کے بے شمار عملی احکام ایسی احادیث پر مبنی ہیں جو متواتر نہیں بلکہ آحاد کے درجے میں آتی ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، معاملات، نکاح، طلاق، حدود، آداب، اخلاق اور معاشرتی احکام سے متعلق بہت سی تفصیلات قرآنِ مجید میں اجمالاً وارد ہوئی ہیں، جبکہ ان کی عملی توضیح سنتِ نبوی ﷺ سے ہوتی ہے۔ اگر خبرِ واحد کو معتبر شرائط کے ساتھ حجت تسلیم نہ کیا جائے تو شریعت کے عملی ڈھانچے کا ایک بڑا حصہ متاثر ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر جمہور اہلِ علم کا موقف یہ رہا ہے کہ صحیح خبرِ واحد شرعی احکام میں حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے، بشرطیکہ روایت قبولیت کی معروف شرائط پر پوری اترتی ہو۔ امام شافعیؒ نے اس

cc BY

مسئلے کو خاص طور پر منظم انداز میں واضح کیا اور ثقہ راوی کی خبر کو دینی استدلال کا معتبر ذریعہ قرار دیا، جبکہ امام غزالیؒ، ابن قدامہؒ اور دیگر اصولیین نے بھی خبرِ واحد کو عمل کے باب میں حجت تسلیم کیا، اگرچہ انہوں نے اس کے قطعی یا ظنی ہونے کی بحث کو الگ اصولی زاویے سے دیکھا۔1

اس مقام پر ایک اہم علمی سوال پیدا ہوتا ہے کہ خبرِ واحد سے حاصل ہونے والا علم قطعی ہے یا ظنی؟ اصولیین کی ایک بڑی تعداد کے نزدیک خبرِ واحد بذاتِ خود ظنِ غالب کا فائدہ دیتی ہے، یعنی اس سے وہ قطعی علم حاصل نہیں ہوتا جو متواتر روایت سے حاصل ہوتا ہے؛ تاہم چونکہ شریعت میں بہت سے عملی احکام غالب ظن پر قائم ہوتے ہیں، اس لیے صحیح خبرِ واحد پر عمل شرعاً لازم ہے۔ دوسری طرف محدثین کے ہاں اس بحث کا انداز قدرے مختلف ہے۔ ان کے نزدیک اگر روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو، راوی ثقہ ہوں، سند متصل ہو، روایت شذوذ اور علت سے محفوظ ہو، اور امت کے اہلِ علم نے اسے قبول کیا ہو تو وہ عمل کے لیے نہایت مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے۔ بعض محدثین نے امت کی قبولیت رکھنے والی صحیح روایات، خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث، کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا کہ وہ محض ظن نہیں بلکہ علم کا فائدہ دیتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین اور اصولیین کے درمیان اختلاف اکثر اوقات اصل حجیت میں نہیں بلکہ **خبرِ واحد کی معرفتی حیثیت**، یعنی اس سے حاصل ہونے والے علم یا ظن کی نوعیت، میں پایا جاتا ہے۔

محدثین کا منہج بنیادی طور پر روایت کی حفاظت اور سندی تحقیق پر قائم ہے۔ انہوں نے حدیث کے قبول و رد کے لیے نہایت دقیق اصول وضع کیے، جن میں راوی کی عدالت، ضبط، سند کا اتصال، روایت کا عدمِ شذوذ اور علتِ قادحہ سے سلامتی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس اصولیین کا منہج صرف سند کی صحت پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ وہ روایت کے فقہی استعمال، حکم پر اس کی دلالت، نصوص کے باہمی تعلق، عام و خاص، مطلق و مقید، ناسخ و منسوخ، قیاس، اجماع اور عملِ امت جیسے پہلوؤں کو بھی زیرِ بحث لاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اصولیین یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا خبرِ واحد قرآن کے عموم کی تخصیص کر سکتی ہے؟ کیا خبرِ واحد قیاس پر مقدم ہو گی؟ کیا ایسے مسائل جن میں عمومِ بلویٰ ہو، وہاں خبرِ واحد اسی طرح قابلِ قبول ہو گی؟ کیا عقائد کے باب میں خبرِ واحد سے استدلال کیا جا سکتا ہے؟ یہ سوالات ظاہر کرتے ہیں کہ اصولیین کے نزدیک خبرِ واحد کی بحث محض روایت کی صحت کی نہیں بلکہ اس کے دائرۂ اطلاق اور استنباطی قوت کی بھی ہے۔2

یہی وجہ ہے کہ خبرِ واحد کی حجیت پر بحث کرتے ہوئے محدثین اور اصولیین کے مناہج کا تقابلی مطالعہ نہایت ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر صرف محدثانہ زاویہ اختیار کیا جائے تو توجہ زیادہ تر سند اور روایت کی صحت پر رہے گی، اور اگر صرف اصولی زاویہ اختیار کیا جائے تو روایت کے فقہی اثرات اور دلالتی مباحث نمایاں ہوں گے۔ ایک جامع تحقیقی مطالعے کے لیے دونوں مناہج کو ساتھ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ حدیث کی صحت کے بغیر فقہی استدلال مضبوط نہیں ہو سکتا، اور دلالت و اطلاق کے اصولوں کے بغیر صحیح حدیث سے حکم اخذ کرنے میں غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔ اس مقالے میں خبرِ واحد کی تعریف، حجیت، شرائطِ قبول، محدثین و اصولیین کے مناہج، ان کے مابین اتفاق و اختلاف، اور فقہی استنباط پر اس اختلاف کے اثرات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ اس مطالعے کا بنیادی مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ خبرِ واحد کے باب میں محدثین اور اصولیین کا اختلاف سنت کی حجیت کے انکار کا اختلاف نہیں، بلکہ علمی منہج، اصطلاحی تعبیر، دلالت، اور اطلاق کے دائرے سے متعلق ایک دقیق اصولی فرق ہے۔

خبرِ واحد کا مفہوم اور اصطلاحی پس منظر

خبرِ واحد کی بحث کو درست طور پر سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کو واضح کرنا ضروری ہے۔ لغوی اعتبار سے "خبر" اطلاع، بیان یا ایسی بات کو کہتے ہیں جس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال پایا جا سکے، جبکہ "واحد" کا لفظ بظاہر ایک فرد کے معنی میں آتا ہے۔ تاہم اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کی اصطلاح میں خبرِ واحد سے مراد لازماً وہ روایت نہیں ہوتی جسے صرف ایک ہی راوی نے نقل کیا ہو، بلکہ اس سے مراد ہر وہ خبر ہے جو تواتر کے درجے تک نہ پہنچے۔ اس بنا پر اگر کسی روایت کو دو، تین یا متعدد راوی نقل کریں، لیکن ان کی تعداد ہر طبقۂ سند میں اس حد تک نہ ہو کہ اسے متواتر کہا جا سکے، تو وہ بھی خبرِ واحد ہی کے دائرے میں شامل ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم خبرِ واحد کو عموماً خبرِ متواتر کے مقابلے میں ذکر کرتے ہیں، نہ کہ صرف ایک راوی کی منفرد روایت کے معنی میں۔

CC BY

حدیثی اور اصولی لٹریچر میں خبرِ واحد کی تقسیم مزید اقسام میں بھی کی گئی ہے، جیسے مشہور، عزیز اور غریب۔ مشہور وہ روایت ہے جس کے راوی ہر طبقے میں تین یا اس سے زیادہ ہوں مگر وہ حدِ تواتر تک نہ پہنچے؛ عزیز وہ روایت ہے جس کے کسی طبقے میں کم از کم دو راوی ہوں؛ اور غریب وہ روایت ہے جس کے کسی طبقے میں ایک راوی منفرد ہو۔ ان اقسام سے واضح ہوتا ہے کہ خبرِ واحد ایک وسیع اصطلاح ہے جس میں روایت کی عددی کثرت کم یا زیادہ ہو سکتی ہے، لیکن اصل معیار یہ ہے کہ روایت تواتر کے قطعی درجے تک پہنچی ہے یا نہیں۔ اصولیین کے نزدیک بھی خبرِ واحد کا یہی عمومی مفہوم معتبر ہے کہ وہ خبر جو علمِ ضروری پیدا کرنے والی متواتر روایت کے مرتبے تک نہ پہنچے، خبرِ واحد کہلاتی ہے۔ اس تعریف سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خبرِ واحد کی بحث دراصل روایت کے عددی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کی معرفتی حیثیت سے بھی متعلق ہے، یعنی اس سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے یا ظنِ غالب۔ 3

خبرِ واحد کے اصطلاحی پس منظر میں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ اسلامی روایت میں اس بحث کا آغاز محض نظری یا فلسفیانہ انداز میں نہیں ہوا، بلکہ یہ براہِ راست دینی عمل اور شرعی احکام سے وابستہ تھی۔ صحابۂ کرامؓ کے عہد میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو قبول کرنے کا عمومی طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی قابلِ اعتماد صحابی کوئی حکم یا ارشادِ نبوی بیان کرتا تو اسے قبول کیا جاتا، الا یہ کہ کسی خاص سبب سے مزید تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی۔ بعض مواقع پر صحابہؓ نے خبر سننے کے بعد تائید یا گواہی طلب کی، لیکن اس کا مطلب خبرِ واحد کا اصولی انکار نہیں تھا، بلکہ احتیاط، تثبت اور روایت کی حفاظت مقصود تھی۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ثقہ راوی کی خبر کو دینی معاملات میں معتبر سمجھتے تھے، البتہ جہاں مسئلہ نہایت اہم ہوتا یا روایت کے فہم میں احتمال ہوتا، وہاں مزید تحقیق فرماتے تھے۔

بعد کے ادوار میں جب حدیث کی تدوین، فقہی مذاہب کی تشکیل اور اصولِ فقہ کی باقاعدہ تدوین ہوئی تو خبرِ واحد کی حجیت کا مسئلہ مستقل علمی بحث بن گیا۔ محدثین نے روایت کی صحت کے لیے سندی معیار قائم کیے، جبکہ اصولیین نے یہ سوال اٹھایا کہ صحیح خبرِ واحد سے حکم کس درجے میں ثابت ہوتا ہے اور اس کی شرعی قوت کیا ہے۔ امام شافعیؒ نے اس بحث کو خاص طور پر منظم انداز میں پیش کیا اور واضح کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اگر ثقہ راوی کے ذریعے ثابت ہو جائے تو اسے قبول کرنا لازم ہے۔ ان کے نزدیک خبرِ واحد کی حجیت کا انکار دراصل سنت کے ایک بڑے حصے کو غیر مؤثر بنا دیتا ہے، اس لیے انہوں نے قرآن، سنت، اجماعِ صحابہ اور عملی تعامل سے اس کے حق میں دلائل قائم کیے۔ 4

خبرِ واحد کی حجیت پر جمہور اہلِ علم کا موقف

خبرِ واحد کی حجیت کے بارے میں جمہور محدثین، فقہاء اور اصولیین کا بنیادی موقف یہ ہے کہ اگر کوئی روایت قبولیت کی شرائط پر پوری اترتی ہو، یعنی اس کی سند متصل ہو، راوی عادل اور ضابط ہوں، روایت شذوذ اور علتِ قادحہ سے محفوظ ہو، اور اس کے متن میں کوئی ایسا اضطراب یا تعارض نہ ہو جو اسے ناقابلِ عمل بنا دے، تو ایسی خبر شرعی احکام میں حجت ہے۔ اس موقف کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ شریعت نے دین کے عملی احکام میں قابلِ اعتماد خبر کو معتبر قرار دیا ہے، اور امت کا تعامل بھی اسی پر رہا ہے۔ اگر ہر دینی حکم کے لیے صرف متواتر روایت ہی کو لازم قرار دیا جائے تو عبادات، معاملات، حدود، آداب اور معاشرت کے بے شمار تفصیلی احکام غیر مؤثر ہو جائیں گے، کیونکہ سنتِ نبوی ﷺ کا بڑا ذخیرہ آحاد روایات کے ذریعے محفوظ ہوا ہے۔ اس بنا پر جمہور اہلِ علم خبرِ واحد کو دین میں معتبر مانتے ہیں، البتہ اس کے قبول کرنے کے لیے علمی معیار اور احتیاطی شرائط کو ضروری سمجھتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے خبرِ واحد کی حجیت کو نہایت منظم انداز میں پیش کیا۔ ان کے نزدیک جب رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان ثقہ راوی کے ذریعے ثابت ہو جائے تو مسلمان پر لازم ہے کہ اسے قبول کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قرآنِ مجید کے حکم سے واجب ہے۔ امام شافعیؒ کے استدلال کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مختلف علاقوں، قبائل اور حکام کی طرف اپنے نمائندے بھیجے، جو دین کے احکام پہنچاتے تھے، اور ان کی خبر کو لوگوں کے لیے حجت سمجھا جاتا تھا۔ اگر ایک ثقہ شخص کی خبر دینی احکام میں معتبر نہ ہوتی تو اس طرزِ تبلیغ و تعلیم کی شرعی حیثیت قائم نہ رہتی۔ اسی طرح صحابۂ کرامؓ کا عمل بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ثقہ راوی کی خبر کو قبول

کرتے تھے، اگرچہ بعض مواقع پر احتیاطاً مزید گواہی یا تائید طلب کر لیتے تھے۔ اس احتیاط کو خبرِ واحد کے انکار کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا، کیونکہ تحقیق و تثبت اور اصولی عدمِ حجیت دو الگ چیزیں ہیں۔5

خبرِ واحد کی حجیت کے دلائل میں قرآنِ مجید کی بعض آیات سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ اہلِ علم نے آیتِ نبأ، یعنی "اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو" سے یہ نکتہ اخذ کیا کہ اگر خبر لانے والا فاسق نہ ہو بلکہ عادل اور قابلِ اعتماد ہو تو اس کی خبر اصل کے اعتبار سے قابلِ قبول ہو گی۔ اسی طرح آیتِ نفر میں یہ بیان ہوا کہ اہلِ ایمان کے ایک گروہ کو دین کی سمجھ حاصل کر کے اپنی قوم کی طرف لوٹنا چاہیے تاکہ وہ انہیں خبردار کریں۔ اس سے اصولیین نے یہ استدلال کیا کہ اگر ایک جماعت یا محدود تعداد میں لوگ دین کی بات پہنچائیں تو ان کی تنبیہ اور تعلیم معتبر ہے، ورنہ آیت کا عملی مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اگرچہ ان آیات سے استدلال کی نوعیت میں اصولیین کے درمیان تفصیلات کا اختلاف پایا جاتا ہے، مگر مجموعی طور پر یہ آیات قابلِ اعتماد دینی خبر کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔

سنتِ نبوی ﷺ اور عملِ صحابہؓ سے بھی خبرِ واحد کی حجیت پر مضبوط دلیل ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں افراد کو زکوٰۃ کی وصولی، دعوتِ دین، قضا، تعلیمِ قرآن، اور شرعی احکام کی تبلیغ کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجنا، مختلف قبائل کی طرف معلمین و مبلغین روانہ کرنا، اور بادشاہوں کو خطوط پہنچانے کے لیے ایک ایک سفیر بھیجنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ معتبر شخص کی خبر کو دینی اور عملی سطح پر قبول کیا جاتا تھا۔ صحابۂ کرامؓ کے دور میں بھی بہت سے احکام ایک صحابی کی روایت سے قبول کیے گئے، مثلاً میراث، نکاح، طلاق، عبادات اور معاملات سے متعلق متعدد مسائل میں ایک قابلِ اعتماد راوی کی خبر پر عمل کیا گیا۔ اس سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ خبرِ واحد کو بالکل غیر معتبر سمجھنا نصوص کے مزاج سے ہم آہنگ ہے اور نہ تعاملِ صحابہؓ سے۔6

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جمہور اہلِ علم کے نزدیک خبرِ واحد کی حجیت کا مطلب یہ نہیں کہ ہر منقول روایت بلا تحقیق قبول کر لی جائے۔ اسلامی علمی روایت کا امتیاز ہی یہ ہے کہ اس نے روایت کے قبول و رد کے لیے نہایت مضبوط اصول قائم کیے۔ محدثین نے سند کی تحقیق، اسماء الرجال، جرح و تعدیل، اتصال و انقطاع، علت، شذوذ اور ضبطِ راوی جیسے علوم کو ترقی دی، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہر بات کی جانچ کی جا سکے۔ اصولیین نے اس کے بعد دلالت، تعارض، تخصیص، تقیید، نسخ، قیاس اور عملِ امت جیسے مباحث کو سامنے رکھا، تاکہ صحیح روایت سے حکم اخذ کرتے وقت علمی توازن برقرار رہے۔ اس لیے خبرِ واحد کی حجیت دراصل ایک منضبط حجیت ہے، غیر مشروط اور بے قاعدہ قبولیت نہیں۔

اس بحث کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ خبرِ واحد سے حاصل ہونے والی معرفت کی نوعیت کیا ہے۔ جمہور اصولیین کے نزدیک خبرِ واحد عموماً ظنِ غالب کا فائدہ دیتی ہے، لیکن یہ ظن ایسا معتبر اور راجح ہوتا ہے جس پر شرعی عمل واجب ہو جاتا ہے۔ شریعت کے بہت سے عملی احکام ظنی دلائل پر قائم ہیں، جیسے قیاس، عام نص کی تخصیص، ظاہر الفاظ، شہادت، اقرار، اور اجتہادی فہم۔ اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ چونکہ خبرِ واحد ظنی ہے، لہٰذا وہ حجت نہیں ہو سکتی۔ اصولیین کے نزدیک قطعی اور ظنی دلائل کے دائرے الگ ہیں؛ عقائد، اصولِ دین اور قطعیات میں بحث کی نوعیت الگ ہو سکتی ہے، مگر عملی احکام میں معتبر ظن پر عمل شریعت کا مسلمہ اصول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خبرِ واحد کو قطعی علم کے درجے میں نہ رکھنے کے باوجود عمل کے باب میں حجت قرار دیا۔7

بعض محدثین اور اہلِ علم نے اس مسئلے میں قدرے مختلف انداز اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک صحیح سند سے ثابت ہونے والی اور امت میں قبولیت پانے والی روایت بعض حالات میں علم کا فائدہ بھی دے سکتی ہے، خاص طور پر وہ احادیث جنہیں امت نے قبول کیا ہو اور جن پر اہلِ علم کا تعامل قائم ہو۔ اس موقف کا مقصد یہ نہیں کہ ہر آحاد روایت لازماً متواتر جیسی قطعی ہو جاتی ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ روایت کی صحت، امت کی قبولیت، متعدد قرائن، اہلِ علم کا اعتماد اور عملی تعامل مل کر اس کی معرفتی قوت کو بڑھا دیتے ہیں۔ اس طرح خبرِ واحد کے بارے میں اختلاف کو مکمل تضاد کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے؛ زیادہ درست بات یہ ہے کہ اصولیین اس کی منطقی و معرفتی درجہ بندی پر زیادہ گفتگو کرتے ہیں، جبکہ محدثین اس کی عملی قبولیت، سندی قوت اور امت کے تعامل کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

CC BY

اس بنا پر خبرِ واحد کی حجیت کے مسئلے میں ایک متوازن موقف یہ ہے کہ صحیح خبرِ واحد شریعت کے عملی احکام میں حجت ہے، مگر اس کی حجیت کے لیے علمی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ اسے نہ تو اس طرح رد کیا جا سکتا ہے کہ سنت کا بڑا ذخیرہ غیر مؤثر ہو جائے، اور نہ اس طرح بے قید قبول کیا جا سکتا ہے کہ تحقیقِ روایت اور اصولِ استنباط کی ضرورت باقی نہ رہے۔ محدثین کا کام روایت کی نسبت کو ثابت کرنا ہے، جبکہ اصولیین کا کام اس ثابت شدہ روایت کے دائرۂ دلالت اور فقہی اطلاق کو واضح کرنا ہے۔ جب دونوں مناہج کو باہم مربوط کیا جائے تو خبرِ واحد کی حجیت کا مسئلہ زیادہ متوازن، علمی اور قابلِ عمل صورت میں سامنے آتا ہے۔8

محدثین کا منہج: روایت کی صحت اور سندی معیار

خبرِ واحد کے باب میں محدثین کا منہج بنیادی طور پر **روایت کی نسبت** کو ثابت کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے نزدیک اصل سوال یہ ہے کہ جو قول، فعل یا تقریر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کی جا رہی ہے، کیا وہ واقعی قابلِ اعتماد سند کے ذریعے آپ ﷺ تک پہنچتی ہے یا نہیں؟ اسی مقصد کے لیے محدثین نے حدیث کے قبول و رد کے نہایت دقیق اصول مرتب کیے۔ انہوں نے صرف روایت کے ظاہری الفاظ پر اعتماد نہیں کیا بلکہ راویوں کے حالات، ان کے حافظے، دیانت، علمی ضبط، ملاقات و سماع، سند کے اتصال، روایت کے شذوذ، اور مخفی علتوں تک کی تحقیق کی۔ اس اعتبار سے محدثین کا منہج اسلامی علمی روایت کا ایک نہایت منفرد اور مضبوط تحقیقی نظام ہے، جس کا مقصد سنتِ نبوی ﷺ کو غیر معتبر روایات، غلط نسبتوں اور راویوں کی خطاؤں سے محفوظ رکھنا تھا۔

محدثین کے نزدیک صحیح حدیث کی بنیادی شرائط پانچ ہیں: سند کا متصل ہونا، راویوں کا عادل ہونا، راویوں کا ضابط ہونا، روایت کا شذوذ سے محفوظ ہونا، اور علتِ قادحہ سے پاک ہونا۔ اتصالِ سند سے مراد یہ ہے کہ ہر راوی نے اپنے اوپر والے راوی سے روایت سنی ہو یا اس سے معتبر طریقے سے اخذ کی ہو، تاکہ سند میں انقطاع باقی نہ رہے۔ عدالت سے مراد راوی کا دینی اعتبار، صدق، تقویٰ اور اخلاقی ثقاہت ہے، جبکہ ضبط سے مراد اس کی یادداشت، کتابت، روایت میں احتیاط اور نقل کی درستگی ہے۔ شذوذ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک ثقہ راوی اپنے سے زیادہ مضبوط یا زیادہ کثیر راویوں کی روایت کے خلاف روایت کرے، جبکہ علتِ قادحہ وہ پوشیدہ خرابی ہے جو بظاہر صحیح نظر آنے والی روایت کو کمزور کر دیتی ہے۔ ان اصولوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ محدثین کے نزدیک خبرِ واحد کی حجیت کا پہلا مرحلہ اس کی سندی صحت کا ثبوت ہے؛ جب تک روایت اس معیار پر پوری نہ اترے، اسے شرعی استدلال کی مضبوط بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔9

محدثین نے خبرِ واحد کو قبول کرنے میں راوی کی شخصیت اور علمی حیثیت کو مرکزی اہمیت دی۔ اس مقصد کے لیے **علم رجال** اور **جرح و تعدیل** جیسے علوم وجود میں آئے، جن میں ہزاروں راویوں کے حالات محفوظ کیے گئے۔ کسی راوی کے بارے میں یہ دیکھا گیا کہ وہ سچا ہے یا نہیں، اس کا حافظہ کیسا ہے، اس نے کن اساتذہ سے سماع کیا، اس کے شاگرد کون ہیں، اس کی روایات میں اضطراب پایا جاتا ہے یا نہیں، وہ بدعت یا تعصب کی وجہ سے روایت میں اثر انداز تو نہیں ہوتا، اور محدثین نے اس کے بارے میں کیا حکم لگایا ہے۔ اس تفصیلی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین خبرِ واحد کو محض اس وجہ سے قبول نہیں کرتے کہ وہ حدیث کے نام سے منقول ہے، بلکہ وہ اس کے ہر راوی کو علمی احتساب کے معیار پر پرکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایک روایت بعض سندوں سے ضعیف اور بعض سندوں سے صحیح یا حسن ہو سکتی ہے، کیونکہ محدثین روایت کو اس کے طرق، راویوں اور قرائن کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

محدثین کے منہج کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف ظاہری سند پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ روایت کے مختلف طرق کو جمع کر کے ان کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں۔ اگر ایک راوی کسی روایت کو ایسے الفاظ کے ساتھ نقل کرے جو دوسرے ثقہ راویوں کی روایت سے مختلف ہوں تو محدثین اس فرق کا جائزہ لیتے ہیں۔ کبھی یہ فرق قابلِ قبول ہوتا ہے اور اسے زیادۃ الثقہ کے اصول کے تحت قبول کیا جاتا ہے، اور کبھی یہ فرق روایت کو شاذ یا معلول بنا دیتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی روایت کی سند بظاہر متصل ہو لیکن راویوں کی ملاقات ثابت نہ ہو، یا کسی راوی کا اپنے شیخ سے سماع مشتبہ ہو، تو محدثین اس پر بھی بحث کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ محدثین کے نزدیک خبرِ واحد کا اعتبار صرف راویوں کی تعداد پر نہیں بلکہ روایت کے مکمل تحقیقی ڈھانچے پر قائم ہے۔10

CC BY

خبرِ واحد کے سلسلے میں محدثین کا اصل رجحان یہ ہے کہ اگر روایت صحیح یا حسن درجے کی ہو تو وہ شرعی اعتبار سے قابلِ قبول ہے، خصوصاً عملی احکام، فضائل، آداب، سیرت، معاملات اور اخلاق کے ابواب میں۔ البتہ محدثین ضعیف روایت کو صحیح روایت کے برابر حیثیت نہیں دیتے۔ وہ ضعیف روایت کی کمزوری کی نوعیت دیکھتے ہیں؛ اگر ضعف شدید ہو، راوی متہم ہو، سند منقطع ہو، یا روایت منکر ہو تو اسے قابلِ احتجاج نہیں سمجھا جاتا۔ اگر ضعف ہلکا ہو اور روایت دیگر طرق سے تقویت پا جائے تو وہ حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچ سکتی ہے۔ اس طرح محدثین کے ہاں خبرِ واحد کی قبولیت ایک منظم درجہ بندی کے تابع ہے، جس میں صحیح، حسن، ضعیف، منکر، شاذ، معلول اور موضوع جیسے درجات کے ذریعے روایت کی علمی حیثیت متعین کی جاتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ محدثین کے نزدیک سند کی صحت کے باوجود متن کو بھی بالکل نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ بعض ناقدین کا یہ اعتراض درست نہیں کہ محدثین صرف سند کو دیکھتے تھے اور متن کی تحقیق نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ شذوذ اور علت کی بحث میں متن کا تقابلی جائزہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اگر کسی روایت کا متن قرآنِ مجید کی قطعی دلالت، سنتِ ثابتہ، عقلِ صریح، تاریخی حقیقت، یا ثقہ راویوں کی زیادہ محفوظ روایت کے خلاف ہو تو محدثین اس پر کلام کرتے ہیں۔ البتہ محدثین کا متن پر نقد کرنے کا انداز جدید عقلی یا ذوقی معیار پر قائم نہیں، بلکہ روایت کے داخلی و خارجی قرائن، سندی تقابل، محفوظ و غیر محفوظ روایت، اور ائمہ نقد کے اصولوں کے تابع ہوتا ہے۔ اس لیے محدثین کا منہج صرف سندی نہیں بلکہ سند و متن دونوں کی مربوط تحقیق پر قائم ہے، اگرچہ اس میں سند کو بنیادی حیثیت حاصل رہتی ہے۔11

محدثین کے ہاں خبرِ واحد کی قوت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب اسے امت کے اہلِ علم میں قبولیت حاصل ہو جائے یا وہ صحیحین جیسی معتبر کتب میں موجود ہو، جن پر امت کا عمومی اعتماد قائم ہے۔ ابن الصلاحؒ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کے بارے میں یہ موقف بیان کیا کہ امت کی تلقی بالقبول کی وجہ سے ان احادیث کو عام آحاد روایات کے مقابلے میں زیادہ قوت حاصل ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر روایت کے بارے میں تحقیق کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، بلکہ یہ کہ امت کے بڑے علمی طبقے کا اعتماد بھی حدیث کی قوت کے قرائن میں شمار ہوتا ہے۔ اس پہلو سے محدثین خبرِ واحد کو محض عددی کمی کی بنا پر کمزور نہیں سمجھتے، بلکہ اس کی سندی صحت، طرق، قرائن، قبولِ امت اور تعاملِ علماء کی بنیاد پر اس کے درجے کا تعین کرتے ہیں۔

محدثین کے منہج کا خلاصہ یہ ہے کہ خبرِ واحد اس وقت قابلِ حجت بنتی ہے جب وہ روایت کے محدثانہ معیار پر پوری اترے۔ ان کے نزدیک اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں۔ جب روایت ثابت ہو جائے تو اس کے بعد اس کی فقہی دلالت اور اطلاق کا مرحلہ آتا ہے، جو زیادہ تر فقہاء اور اصولیین کے دائرے سے متعلق ہے۔ اس لیے محدثین کا منہج خبرِ واحد کی حجیت کی پہلی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ وہ روایت کی صحت، سند کی مضبوطی، راویوں کی ثقاہت اور متن کی حفاظت کو یقینی بناتے ہیں۔ اگر یہ مرحلہ مضبوط نہ ہو تو کوئی بھی اصولی یا فقہی استدلال کمزور ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر خبرِ واحد کی بحث میں محدثین کا کردار بنیادی، ناگزیر اور فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔12

اصولیین کا منہج: دلالت، حجیت اور فقہی اطلاق

خبرِ واحد کے باب میں اصولیین کا منہج محدثین کے منہج سے مربوط ہونے کے باوجود اپنے زاویۂ نظر میں مختلف ہے۔ محدثین کا بنیادی سوال یہ ہوتا ہے کہ روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں، جبکہ اصولیین اس کے بعد یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ثابت شدہ روایت سے حکم کس درجے میں ثابت ہوتا ہے، اس کی دلالت کتنی واضح ہے، وہ دوسرے شرعی دلائل کے ساتھ کس طرح مربوط ہوتی ہے، اور فقہی استنباط میں اس کا مقام کیا ہے۔ اس اعتبار سے اصولیین خبرِ واحد کو صرف نقل و روایت کے دائرے میں نہیں دیکھتے بلکہ اسے شریعت کے مجموعی نظامِ استدلال میں رکھ کر پرکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی روایت کا سنداً صحیح ہونا نہایت اہم ہے، مگر فقہی حکم کے

CC BY

اثبات کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس روایت کا مفہوم، سیاق، عموم و خصوص، اطلاق و تقیید، ناسخ و منسوخ، اور دیگر نصوص سے تعلق بھی واضح ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اصولیین کے ہاں خبرِ واحد کی بحث محض حدیثی اصطلاح نہیں رہتی بلکہ اصولِ فقہ کا ایک بنیادی باب بن جاتی ہے۔

اصولیین کے نزدیک خبرِ واحد کی حجیت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ صحیح اور قابلِ اعتماد خبرِ واحد عملی احکام میں حجت ہے، لیکن وہ اپنی معرفتی حیثیت کے اعتبار سے عموماً ظنی دلیل شمار ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اصولیین خبرِ واحد کو کمزور یا ناقابلِ اعتبار سمجھتے ہیں، بلکہ ان کا مقصد دلیل کے درجے کو واضح کرنا ہے۔ متواتر روایت قطعی الثبوت ہوتی ہے، جبکہ خبرِ واحد ظنی الثبوت ہوتی ہے؛ تاہم شریعت میں ظنی الثبوت دلیل پر عمل کرنا بھی لازم ہو سکتا ہے، جب وہ معتبر شرائط کے ساتھ ثابت ہو۔ فقہی احکام کا بڑا حصہ اسی معتبر ظن پر قائم ہے، جیسے قیاس، خبرِ واحد، ظاہر نص، عام کی تخصیص، مطلق کی تقیید، شہادت اور اجتہادی ترجیح۔ اس لیے اصولیین کے نزدیک خبرِ واحد کا ظنی ہونا اس کی حجیت کے منافی نہیں؛ اصل بات یہ ہے کہ وہ ظن معتبر ہو، شرعی اصولوں کے مطابق ہو، اور اس کے مقابلے میں کوئی قوی تر دلیل موجود نہ ہو۔ 13

اصولیین خبرِ واحد کی بحث میں ایک اہم سوال یہ اٹھاتے ہیں کہ آیا خبرِ واحد قرآنِ مجید کے عام حکم کی تخصیص کر سکتی ہے یا نہیں۔ جمہور اصولیین کے نزدیک اگر خبرِ واحد صحیح ہو تو وہ قرآن کے عام حکم کی تخصیص کر سکتی ہے، کیونکہ تخصیص دراصل قرآن کے حکم کو منسوخ کرنا نہیں بلکہ اس کے دائرۂ اطلاق کو واضح کرنا ہے۔ مثال کے طور پر قرآنِ مجید میں کسی حکم کا بیان عام انداز میں ہو سکتا ہے، جبکہ سنت اس کی عملی صورت، حدود یا استثنائی حالت کو واضح کرتی ہے۔ اس بنا پر خبرِ واحد کو قرآن کے مقابل یا معارض کے طور پر نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اسے قرآن کی تشریح، تفصیل اور تطبیق کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ البتہ اصولیین اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ خبرِ واحد قرآن کی قطعی دلالت کے خلاف نہ ہو؛ اگر بظاہر تعارض پیدا ہو تو پہلے جمع و تطبیق کی کوشش کی جاتی ہے، پھر ترجیح یا دیگر اصولی مراحل اختیار کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح اصولیین کے ہاں یہ بحث بھی ملتی ہے کہ خبرِ واحد قیاس کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔ جمہور کے نزدیک صحیح خبرِ واحد قیاس پر مقدم ہے، کیونکہ قیاس اجتہادی دلیل ہے جبکہ خبرِ واحد، اگرچہ ظنی الثبوت ہے، پھر بھی وہ نصِ نبوی ﷺ سے متعلق ہے۔ اس لیے جب صحیح حدیث موجود ہو تو محض قیاس کی بنیاد پر اسے ترک نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ بعض فقہی مکاتب میں ایسے مقامات ملتے ہیں جہاں خبرِ واحد کے قبول کرنے میں مزید شرائط لگائی گئی ہیں، مثلاً یہ دیکھا گیا کہ روایت عملِ اہلِ مدینہ، اصولِ عامہ، عمومِ بلویٰ، یا قوی قیاس کے خلاف تو نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصولیین کے درمیان خبرِ واحد کی اصل حجیت پر عمومی اتفاق کے باوجود اس کے اطلاقی دائرے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی اختلاف بعد میں فقہی فروع میں اثر انداز ہوا اور مختلف مذاہب کے استنباطی نتائج میں فرق کا سبب بنا۔ 14

اصولیین کے منہج کا ایک نہایت اہم پہلو **عمومِ بلویٰ** کا مسئلہ ہے۔ عمومِ بلویٰ سے مراد ایسے مسائل ہیں جن سے عام لوگوں کو کثرت سے سابقہ پیش آتا ہو اور جن کے بارے میں توقع ہوتی ہے کہ اگر کوئی حکم موجود ہو تو وہ بہت سے لوگوں کے ذریعے نقل ہوتا۔ بعض اصولیین، خصوصاً احناف کے ہاں، ایسے مسائل میں خبرِ واحد کے قبول کرنے میں زیادہ احتیاط پائی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی مسئلہ عام ضرورت اور کثرتِ عمل سے متعلق ہو، مگر اس کے بارے میں صرف ایک یا محدود راویوں کی روایت ملے، تو اسے قبول کرتے وقت مزید قرائن دیکھے جائیں گے۔ اس احتیاط کا مقصد خبرِ واحد کا انکار نہیں بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ کیا اس نوعیت کا حکم واقعۃً امت کے عمومی تعامل میں معروف ہونا چاہیے تھا یا نہیں۔ دوسری طرف دیگر اصولیین اس شرط کو اتنی قوت سے قبول نہیں کرتے اور صحیح سند سے ثابت روایت کو عمومِ بلویٰ کے باوجود حجت سمجھتے ہیں، بشرطیکہ اس میں کوئی قوی معارض موجود نہ ہو۔

خبرِ واحد کے باب میں اصولیین نے عقائد اور عملی احکام کے درمیان بھی فرق کیا ہے۔ بہت سے اصولیین کے نزدیک عقائد کے اصولی اور قطعی مسائل میں قطعی دلائل مطلوب ہوتے ہیں، اس لیے وہ خبرِ واحد کو عقائد کے بنیادی اصولوں کے اثبات میں مستقل قطعی دلیل نہیں سمجھتے؛ تاہم اگر خبرِ واحد صحیح ہو تو اسے دینی معرفت، تفصیل، تائید اور بعض غیبی امور کے بیان میں معتبر مانتے ہیں۔ دوسری طرف اہلِ حدیث اور بعض دیگر اہلِ علم صحیح خبرِ واحد کو عقائد کے باب میں بھی حجت تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک جب روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو جائے تو دین کے کسی بھی باب میں اسے قبول کیا جائے گا۔ اس اختلاف کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اصولیین دلیل کی قطعی و ظنی تقسیم کو زیادہ نمایاں کرتے ہیں، جبکہ محدثین ثبوتِ روایت، صحتِ سند اور قبولِ امت کے پہلو کو زیادہ مرکزی حیثیت دیتے ہیں۔ 15

OPEN ACCESS

اصولیین کا ایک اور نمایاں امتیاز یہ ہے کہ وہ خبرِ واحد کی دلالت کو الفاظ کے اصولی مباحث کے تحت دیکھتے ہیں۔ اگر خبرِ واحد کا متن عام ہو تو کیا اس کی عمومیت برقرار رہے گی؟ اگر اس میں امر کا صیغہ ہو تو کیا وہ وجوب کے لیے ہوگا یا استحباب کے لیے؟ اگر نہی ہو تو کیا وہ تحریم پر دلالت کرے گی یا کراہت پر؟ اگر روایت میں کوئی عملِ نبوی ﷺ مذکور ہو تو کیا وہ وجوب، استحباب، اباحت یا خصوصیت پر محمول ہوگا؟ یہ تمام سوالات اصولیین کے دائرۂ بحث میں آتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اصولیین کے نزدیک خبرِ واحد کو قبول کرنا صرف پہلا مرحلہ ہے؛ اصل فقہی کام اس کے بعد شروع ہوتا ہے، یعنی روایت کی دلالت کو سمجھنا اور اسے شریعت کے دیگر دلائل کے ساتھ مربوط کرکے حکم تک پہنچنا۔

اس منہج کی عملی اہمیت اس وقت مزید واضح ہوتی ہے جب مختلف فقہی مذاہب ایک ہی روایت کو قبول کرنے کے باوجود اس سے مختلف احکام اخذ کرتے ہیں۔ کبھی اختلاف روایت کی صحت میں ہوتا ہے، کبھی اس کے معنی میں، کبھی اس کے عموم و خصوص میں، کبھی اس کے ناسخ یا منسوخ ہونے میں، اور کبھی اس بات میں کہ وہ روایت وجوب پر دلالت کرتی ہے یا استحباب پر۔ اس بنا پر خبرِ واحد کے سلسلے میں اصولیین کا منہج فقہی اختلافات کو سمجھنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ اگر صرف یہ کہا جائے کہ حدیث صحیح ہے، اس لیے ایک ہی حکم لازم ہے، تو فقہی استنباط کی پیچیدگی نظر انداز ہو جاتی ہے۔ اور اگر صرف اصولی دلالت پر بحث کی جائے مگر روایت کی صحت کا محدثانہ معیار نظر انداز کر دیا جائے تو استدلال کمزور ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایک متوازن علمی رویہ یہی ہے کہ محدثین کی سندی تحقیق اور اصولیین کی دلالتی و فقہی تحقیق دونوں کو جمع کیا جائے۔16

اصولیین کے منہج کا خلاصہ یہ ہے کہ خبرِ واحد کو وہ شریعت کے عملی احکام میں معتبر دلیل مانتے ہیں، لیکن اس کی حجیت کو اصولی ضوابط کے تابع رکھتے ہیں۔ وہ خبرِ واحد کو نہ تو مطلقاً رد کرتے ہیں اور نہ اسے ہر حال میں بے قید قبول کرتے ہیں، بلکہ روایت کی صحت، دلالت، معارض، قرائن، محلِ اطلاق اور شرعی مقاصد کے ساتھ اس کے تعلق کو سامنے رکھتے ہیں۔ اس منہج کی وجہ سے اسلامی فقہ میں ایک طرف سنت کی حجیت محفوظ رہتی ہے اور دوسری طرف استنباط میں علمی احتیاط، نصوص کا باہمی توازن، اور شرعی دلائل کی درجہ بندی بھی قائم رہتی ہے۔ یہی اصولی احتیاط فقہِ اسلامی کی وسعت، گہرائی اور علمی پختگی کی علامت ہے۔

محدثین اور اصولیین کے مناہج کا تقابلی جائزہ

خبرِ واحد کے بارے میں محدثین اور اصولیین کے مناہج کا تقابلی مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ دونوں گروہوں کا اصل مقصد سنتِ نبوی ﷺ کی حفاظت، فہم اور اطلاق ہے، لیکن دونوں کا زاویۂ نظر مختلف ہے۔ محدثین کی بنیادی توجہ اس بات پر مرکوز ہوتی ہے کہ روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں، جبکہ اصولیین کا بنیادی سوال یہ ہوتا ہے کہ ثابت شدہ روایت سے شرعی حکم کس اصول کے تحت اخذ کیا جائے گا۔ اس لیے محدثین روایت کی سند، راویوں کی عدالت و ضبط، اتصال، شذوذ اور علت پر تفصیلی بحث کرتے ہیں، جبکہ اصولیین روایت کے ثبوت کے بعد اس کی دلالت، حجیت، تعارض، تخصیص، تقیید، نسخ، قیاس اور فقہی اطلاق پر غور کرتے ہیں۔ یہ فرق دراصل علمی تخصص کا فرق ہے، نہ کہ سنت کی حجیت کے بارے میں بنیادی اختلاف۔ محدثین روایت کو محفوظ اور ثابت کرتے ہیں، جبکہ اصولیین اس ثابت شدہ روایت کو شرعی استدلال کے وسیع نظام میں رکھ کر سمجھتے ہیں۔

اس تقابل کو سمجھنے کے لیے یہ بات بھی اہم ہے کہ محدثین کے نزدیک جب کوئی خبرِ واحد صحیح یا حسن درجے تک پہنچ جائے تو وہ قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہوتی ہے، خصوصاً جب اس کے مقابلے میں کوئی قوی معارض موجود نہ ہو۔ اس کے برعکس اصولیین اس روایت کو قبول کرنے کے بعد مزید سوالات اٹھاتے ہیں: کیا اس روایت کا حکم عام ہے یا خاص؟ کیا یہ روایت قرآن کے کسی عام حکم کی تخصیص کر رہی ہے؟ کیا یہ کسی مطلق حکم کو مقید کر رہی ہے؟ کیا اس روایت کا تعلق وجوب سے ہے یا استحباب سے؟ کیا یہ حکم تمام امت کے لیے ہے یا نبی کریم ﷺ کی کسی خاص حالت سے متعلق ہے؟ کیا اس پر صحابہؓ یا فقہاء کا عمل موجود ہے؟ ان سوالات سے واضح ہوتا ہے کہ

CC BY

اصولیین کا منہج روایت کی صحت کے انکار پر نہیں بلکہ روایت کے صحیح فہم اور درست اطلاق پر قائم ہے۔ اس لیے اگر کسی مقام پر محدث اور فقیہ کا نتیجہ مختلف نظر آئے تو ضروری نہیں کہ فقیہ حدیث کو رد کر رہا ہو؛ ممکن ہے وہ اس کی دلالت، محلِ اطلاق، معارض یا ناسخ و منسوخ کے پہلو سے مختلف حکم لگا رہا ہو۔17

محدثین اور اصولیین کے درمیان ایک نمایاں فرق خبرِ واحد کی معرفتی حیثیت کے باب میں بھی سامنے آتا ہے۔ محدثین عموماً صحیح روایت کی عملی حجیت پر زیادہ زور دیتے ہیں اور جب روایت معتبر سند سے ثابت ہو جائے تو اسے دین میں قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں۔ بعض محدثین، خصوصاً ابن الصلاحؒ جیسے اہلِ علم، امت کی قبولیت یافتہ صحیح روایات کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ وہ علم کا فائدہ دیتی ہیں، خاص طور پر جب وہ صحیحین میں ہوں اور اہلِ علم نے انہیں قبول کیا ہو۔ اس کے برعکس اصولیین کی ایک بڑی تعداد خبرِ واحد کو ظنی الثبوت قرار دیتی ہے، یعنی اس سے متواتر کی طرح قطعی علم نہیں بلکہ ظنِ غالب حاصل ہوتا ہے۔ تاہم یہ ظنِ غالب شرعاً معتبر ہے اور عملی احکام میں اس پر عمل واجب ہو سکتا ہے۔ یوں دونوں مناہج میں اختلاف حجیت کے اصل اصول میں نہیں بلکہ اس کی معرفتی درجہ بندی میں ہے۔

اسی طرح دونوں مناہج کے درمیان فرق اس وقت زیادہ واضح ہوتا ہے جب خبرِ واحد کا تعلق ایسے مسائل سے ہو جن میں عمومِ بلویٰ، قیاس، عملِ اہلِ مدینہ، یا اصولِ عامہ کا پہلو موجود ہو۔ محدثین اگر روایت کو سنداً صحیح پاتے ہیں تو وہ اسے قبول کرتے ہیں، مگر اصولیین، خصوصاً بعض فقہی مکاتب، یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جس مسئلے سے عام لوگوں کو بار بار واسطہ پڑتا ہے، اس کا حکم اگر واقعی عام اور لازم تھا تو کیا اس کا نقل ہونا زیادہ مشہور نہ ہونا چاہیے تھا؟ اسی بنیاد پر بعض اصولیین ایسے مسائل میں خبرِ واحد کے ساتھ مزید قرائن کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس احتیاط کا مقصد سنت کو کمزور کرنا نہیں بلکہ شرعی استدلال میں اجتماعی عمل، عمومی ضرورت، اور نصوص کے مجموعی نظام کو سامنے رکھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء بعض اوقات صحیح روایت کو ترک نہیں کرتے بلکہ اسے تاویل، تخصیص، استحباب، کراہت، یا کسی خاص صورت پر محمول کرتے ہیں۔18

اس تقابلی مطالعے سے ایک اور اہم بات سامنے آتی ہے کہ محدثین اور اصولیین کے مناہج ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ تکمیلی ہیں۔ اگر صرف محدثانہ منہج اختیار کیا جائے اور دلالت و اطلاق کے اصولوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ صحیح روایت سے حکم اخذ کرتے وقت سیاق، معارض، عام و خاص، مطلق و مقید، اور فقہی اصولوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ دوسری طرف اگر صرف اصولی یا فقہی منہج اختیار کیا جائے اور روایت کی سندی تحقیق کو اہمیت نہ دی جائے تو کمزور یا غیر ثابت روایات سے استدلال کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے صحیح علمی طریقہ یہ ہے کہ پہلے محدثانہ معیار پر روایت کی صحت ثابت کی جائے، پھر اصولی معیار پر اس کی دلالت اور فقہی اطلاق کو سمجھا جائے۔ یہی جامع منہج اسلامی علمی روایت کی قوت ہے۔

خبرِ واحد کی حجیت کے حوالے سے اس تکمیلی تعلق کا عملی اثر فقہی اختلافات میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مختلف مذاہبِ فقہ میں بعض اوقات ایک حدیث کے بارے میں اختلاف اس لیے پیدا نہیں ہوتا کہ ایک فریق سنت کو مانتا ہے اور دوسرا نہیں مانتا، بلکہ اختلاف اس بات میں ہوتا ہے کہ روایت کی صحت کا درجہ کیا ہے، اس کا مفہوم کیا ہے، آیا وہ عام ہے یا خاص، آیا اس پر عمل باقی ہے یا وہ منسوخ ہے، آیا اس کے مقابلے میں کوئی زیادہ قوی دلیل موجود ہے، یا آیا اسے وجوب پر محمول کیا جائے یا استحباب پر۔ اس لیے خبرِ واحد کے مسئلے میں جلد بازی سے کسی فقیہ یا مکتبِ فکر پر حدیث کی مخالفت کا حکم لگانا علمی احتیاط کے خلاف ہے۔ زیادہ درست رویہ یہ ہے کہ ہر مکتب کے اصولی منہج کو سمجھا جائے اور دیکھا جائے کہ اس نے روایت کے ثبوت، فہم اور اطلاق کے بارے میں کون سا علمی راستہ اختیار کیا ہے۔19

محدثین اور اصولیین کے مناہج کا ایک متوازن تقابلی نتیجہ یہ ہے کہ خبرِ واحد اسلامی شریعت میں معتبر دلیل ہے، مگر اس کی حجیت ایک منظم علمی نظام کے تحت ہے۔ محدثین اس کی صحت کو ثابت کرتے ہیں، اصولیین اس کی حجیت اور دلالت کو منضبط کرتے ہیں، اور فقہاء اسے عملی احکام کی صورت میں مرتب کرتے ہیں۔ اس طرح حدیث، اصول اور فقہ تینوں علوم ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ خبرِ واحد کی بحث کو اگر صرف ایک علم کے دائرے میں محدود کر دیا جائے تو اس کی مکمل تصویر سامنے نہیں آتی۔ اس کی صحیح تفہیم کے لیے حدیثی تحقیق، اصولی دلالت اور فقہی تطبیق تینوں کو ساتھ رکھنا ضروری ہے۔

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ خبرِ واحد کے باب میں محدثین اور اصولیین کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ اکثر اوقات بنیادی نہیں بلکہ منہجی، اصطلاحی اور اطلاقی نوعیت کے ہیں۔ دونوں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی سنت حجت ہے، دونوں روایت کی تحقیق کو ضروری سمجھتے ہیں، اور دونوں دین میں غیر معتبر خبر کے داخل ہونے

OPEN ACCESS

سے بچنا چاہتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ محدثین "ثبوتِ روایت" کو مرکزی مسئلہ بناتے ہیں، جبکہ اصولیین "حجیتِ روایت اور دلالتِ حکم" کو زیادہ تفصیل سے دیکھتے ہیں۔ جب اس فرق کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے تو خبرِ واحد کی بحث نہ صرف زیادہ واضح ہو جاتی ہے بلکہ فقہی اختلافات کو بھی زیادہ علمی، متوازن اور روادار انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔20

خلاصۂ بحث، نتائج اور اختتامیہ

خبرِ واحد کی حجیت کا مسئلہ اسلامی علوم میں نہایت اہم مقام رکھتا ہے، کیونکہ سنتِ نبوی ﷺ کا ایک بڑا حصہ امت تک آحاد روایات کے ذریعے پہنچا ہے۔ اس مقالے کی بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ خبرِ واحد سے مراد صرف وہ روایت نہیں جسے ایک ہی راوی نے نقل کیا ہو، بلکہ ہر وہ روایت خبرِ واحد کے دائرے میں آتی ہے جو تواتر کے درجے تک نہ پہنچے، خواہ اس کے راوی ایک سے زیادہ ہوں۔ اسی بنا پر خبرِ واحد کو متواتر کے مقابلے میں رکھا جاتا ہے، نہ کہ محض عددی وحدت کے معنی میں سمجھا جاتا ہے۔ جمہور محدثین، فقہاء اور اصولیین کا بنیادی موقف یہ ہے کہ اگر خبرِ واحد صحیح شرائط کے ساتھ ثابت ہو جائے تو وہ عملی احکام میں حجت ہے اور اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس حجیت کا مطلب غیر مشروط قبولیت نہیں، بلکہ ایسی منضبط قبولیت ہے جو سند، متن، دلالت، معارض، قرائن اور فقہی اطلاق کے اصولوں کے تابع ہو۔

اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین اور اصولیین کے درمیان اختلاف کو بنیادی طور پر سنت کی حجیت کے انکار یا اثبات کا اختلاف نہیں سمجھنا چاہیے۔ محدثین کا منہج روایت کے ثبوت، سند کی صحت، راویوں کی عدالت و ضبط، اتصالِ سند، شذوذ اور علت کی تحقیق پر قائم ہے۔ ان کے نزدیک اصل سوال یہ ہے کہ روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں۔ اس کے برعکس اصولیین کا منہج روایت کی حجیت، دلالت، تعارض، تخصیص، تقیید، نسخ، قیاس اور فقہی اطلاق سے متعلق ہے۔ گویا محدثین روایت کو ثابت کرتے ہیں، اصولیین اس ثابت شدہ روایت کی استدلالی حیثیت کو منضبط کرتے ہیں، اور فقہاء اسے عملی حکم کی صورت میں مرتب کرتے ہیں۔ اس لیے دونوں مناہج کو ایک دوسرے کا مخالف نہیں بلکہ تکمیلی سمجھنا زیادہ درست ہے۔21

خبرِ واحد کے بارے میں ایک اہم نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ اس کی معرفتی حیثیت کے باب میں اہلِ علم کے درمیان تعبیرات کا اختلاف موجود ہے۔ اصولیین کی ایک بڑی تعداد خبرِ واحد کو ظنی الثبوت قرار دیتی ہے، لیکن اس ظن کو معتبر اور واجب العمل مانتی ہے۔ اس کے برعکس بعض محدثین اور اہلِ حدیث صحیح، مقبول، اور امت کی تلقی بالقبول رکھنے والی روایات کو علم کا فائدہ دینے والی قرار دیتے ہیں۔ اس اختلاف کو اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریق عملی طور پر صحیح خبرِ واحد کی حجیت کو تسلیم کرتے ہیں؛ فرق زیادہ تر اس بات میں ہے کہ اس سے حاصل ہونے والے علم یا ظن کی نوعیت کو کس اصطلاح میں بیان کیا جائے۔ اس لیے خبرِ واحد کے ظنی ہونے کو اس کی شرعی حجیت کے انکار کی دلیل بنانا درست نہیں، کیونکہ شریعت کے عملی احکام میں معتبر ظن پر عمل ایک مسلمہ اصول ہے۔

اس مقالے کا ایک اہم حاصل یہ بھی ہے کہ خبرِ واحد کی حجیت کو سمجھنے کے لیے صرف ایک علمی زاویہ کافی نہیں۔ اگر صرف حدیثی منہج اختیار کیا جائے اور اصولی دلالت کو نظر انداز کر دیا جائے تو صحیح روایت سے حکم اخذ کرنے میں جلد بازی کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر صرف اصولی یا فقہی منہج اختیار کیا جائے اور روایت کی سندی تحقیق کو پس پشت ڈال دیا جائے تو غیر ثابت یا کمزور روایات سے استدلال کا خطرہ باقی رہتا ہے۔ ایک متوازن علمی طریقہ یہی ہے کہ پہلے روایت کی صحت کو محدثانہ معیار پر پرکھا جائے، پھر اس کی دلالت کو اصولی قواعد کے تحت سمجھا جائے، اور آخر میں اسے فقہی تطبیق کے مرحلے میں شریعت کے مجموعی نظام کے ساتھ مربوط کیا جائے۔ یہی منہج اسلامی علوم کی جامعیت اور علمی پختگی کو ظاہر کرتا ہے۔22

فقہی اختلافات کو سمجھنے کے لیے بھی خبرِ واحد کی بحث نہایت مفید ہے۔ بہت سے مواقع پر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ کسی فقیہ یا فقہی مکتب نے اگر کسی صحیح حدیث کے ظاہر پر عمل نہیں کیا تو گویا اس نے حدیث کو رد کر دیا، حالانکہ معاملہ اکثر اس سے زیادہ دقیق ہوتا ہے۔ کبھی روایت کی صحت میں اختلاف ہوتا ہے، کبھی اس کی دلالت میں، کبھی اس کے عام یا خاص ہونے میں، کبھی اس کے ناسخ یا منسوخ ہونے میں، کبھی اس کے مقابلے میں کوئی دوسری قوی دلیل موجود ہوتی ہے، اور کبھی فقیہ اسے وجوب کے

CC BY

بجائے استحباب یا اباحت پر محمول کرتا ہے۔ اس لیے خبرِ واحد کے مسئلے میں علمی احتیاط کا تقاضا ہے کہ فقہی اختلاف کو محض حدیث کی قبولیت یا عدمِ قبولیت کا مسئلہ نہ بنایا جائے، بلکہ ہر مکتب کے اصولِ استدلال اور منہجِ تطبیق کو سامنے رکھا جائے۔

آخر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ خبرِ واحد اسلامی شریعت میں ایک معتبر، مؤثر اور ناگزیر دلیل ہے، مگر اس کی حجیت ایک مضبوط علمی نظام کے اندر قائم ہے۔ یہ نہ تو متواتر کی طرح ہر حال میں قطعی الثبوت ہے، اور نہ ایسی کمزور خبر ہے جسے شرعی استدلال سے خارج کر دیا جائے۔ صحیح خبرِ واحد شریعت کے عملی احکام میں حجت ہے، بشرطیکہ وہ محدثین کے معیارِ صحت پر پوری اترے اور اصولیین کے معیارِ دلالت و اطلاق کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔ محدثین اور اصولیین کے مناہج کا تقابلی مطالعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اسلامی علمی روایت میں روایت، درایت، فقہ اور اصول ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ باہم مربوط علوم ہیں۔ جب ان سب کو توازن کے ساتھ سمجھا جائے تو خبرِ واحد کی حجیت کا مسئلہ نہ صرف واضح ہو جاتا ہے بلکہ فقہی اختلافات کے فہم میں بھی وسعت، اعتدال اور علمی سنجیدگی پیدا ہوتی ہے۔23

نتائج تحقیق

اس مطالعے سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

اول، خبرِ واحد سے مراد ہر وہ روایت ہے جو تواتر کے درجے تک نہ پہنچے، خواہ اسے ایک راوی نے نقل کیا ہو یا متعدد راویوں نے۔

دوم، جمہور محدثین، فقہاء اور اصولیین صحیح خبرِ واحد کو عملی احکام میں حجت تسلیم کرتے ہیں۔

سوم، محدثین کا منہج روایت کی صحت، سندی اتصال، راویوں کی عدالت و ضبط، شذوذ اور علت کی تحقیق پر قائم ہے۔

چہارم، اصولیین کا منہج روایت کی دلالت، حجیت، معارض، تخصیص، تقیید، قیاس، عموم بلویٰ اور فقہی اطلاق سے متعلق ہے۔

پنجم، خبرِ واحد کے بارے میں محدثین اور اصولیین کا اختلاف اکثر اوقات بنیادی نہیں بلکہ منہجی، اصطلاحی اور اطلاقی نوعیت کا ہے۔

ششم، صحیح خبرِ واحد کی حجیت کا انکار فقہِ اسلامی کے ایک بڑے عملی ذخیرے کو متاثر کر سکتا ہے، جبکہ اس کی بے قید قبولیت بھی علمی احتیاط کے خلاف ہے۔

ہفتم، ایک متوازن منہج یہ ہے کہ روایت کو پہلے حدیثی معیار پر پرکھا جائے، پھر اصولی قواعد کے تحت اس کی دلالت سمجھی جائے، اور آخر میں فقہی اطلاق میں شریعت کے مجموعی نظام کو سامنے رکھا جائے۔

حوالہ جات

1 محمد بن ادریس الشافعی، **الرسالہ**، تحقیق: احمد محمد شاکر، قاہرہ: مکتبۃ الحلبی، 1940ء، ص 369-471۔

2 ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، **المستصفی من علم الأصول**، تحقیق: محمد عبد السلام عبد الشافی، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1993ء، ج 1، ص 145۔

3 محمد بن علی الشوکانی، **إرشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الأصول**، تحقیق: احمد عزو عنایہ، بیروت: دار الکتاب العربی، 1999ء، ج 1، ص 131-135؛ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، **المستصفی من علم الأصول**، تحقیق: محمد عبد السلام عبد الشافی، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1993ء، ج 1، ص 145؛ موفق الدین ابن قدامہ، **روضۃ الناظر وجنۃ المناظر**، بیروت: مؤسسۃ الریان، 2002ء، ج 1، ص 273-276۔

4 محمد بن ادریس الشافعی، **الرسالہ**، تحقیق: احمد محمد شاکر، قاہرہ: مکتبۃ الحلبی، 1940ء، ص 369-471؛ احمد بن علی الخطیب البغدادی، **الکفایۃ فی علم الروایۃ**، مدینہ: المکتبۃ العلمیۃ، ص 31-45۔

5 محمد بن ادریس الشافعی، **الرسالہ**، تحقیق: احمد محمد شاکر، قاہرہ: مکتبۃ الحلبی، 1940ء، ص 457-401؛ علی بن احمد ابن حزم، **الاحکام فی اصول الاحکام**، بیروت: دار الآفاق الجدیدۃ، ج1، ص 119-124۔

6 ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، **الکفایۃ فی علم الروایۃ**، مدینہ: المکتبۃ العلمیۃ، ص 31-45؛ محمد بن علی الشوکانی، **ارشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الاصول**، تحقیق: احمد عزو عنایہ، بیروت: دار الکتاب العربی، 1999ء، ج1، ص 136-142۔

7 علی بن محمد الآمدی، **الاحکام فی اصول الاحکام**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1982ء، ج2، ص 32-49؛ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، **المستصفی من علم الاصول**، تحقیق: محمد عبد السلام عبد الشافی، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1993ء، ج1، ص 145-153۔

8 عثمان بن عبد الرحمن ابن الصلاح، **علوم الحدیث**، تحقیق: نور الدین عتر، دمشق: دار الفکر، 1986ء، ص 28-29؛ احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، **نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر**، بیروت: دار ابن حزم، 2006ء، ص 35-38۔

9 احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، **نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر**، بیروت: دار ابن حزم، 2006ء، ص 35-38؛ عثمان بن عبد الرحمن ابن الصلاح، **علوم الحدیث**، تحقیق: نور الدین عتر، دمشق: دار الفکر، 1986ء، ص 11-16۔

10 ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، **الکفایۃ فی علم الروایۃ**، مدینہ: المکتبۃ العلمیۃ، ص 70-92؛ عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی، **الجرح والتعدیل**، حیدر آباد: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ج1، ص 1-10۔

11 ابن رجب الحنبلی، **شرح علل الترمذی**، تحقیق: نور الدین عتر، دمشق: دار الملاح، 1978ء، ج1، ص 31-45؛ محمد جمال الدین القاسمی، **قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ص 79-91۔

12 عثمان بن عبد الرحمن ابن الصلاح، **علوم الحدیث**، تحقیق: نور الدین عتر، دمشق: دار الفکر، 1986ء، ص 28-29؛ احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، **النکت علی کتاب ابن الصلاح**، مدینہ: عمادۃ البحث العلمی، 1984ء، ج1، ص 371-389۔

13 علی بن محمد الآمدی، **الاحکام فی اصول الاحکام**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1982ء، ج2، ص 32-49؛ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، **المستصفی من علم الاصول**، تحقیق: محمد عبد السلام عبد الشافی، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1993ء، ج1، ص 145-153۔

14 محمد بن علی الشوکانی، **ارشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الاصول**، تحقیق: احمد عزو عنایہ، بیروت: دار الکتاب العربی، 1999ء، ج1، ص 136-145؛ موفق الدین ابن قدامہ، **روضۃ الناظر وجنۃ المناظر**، بیروت: مؤسسۃ الریان، 2002ء، ج1، ص 276-286۔

15 ابو زہرہ، **اصول الفقہ**، قاہرہ: دار الفکر العربی، ص 107-116؛ محمد بن علی الشوکانی، **ارشاد الفحول**، ج1، ص 146-151۔

16 عبد الوہاب خلاف، **علم اصول الفقہ**، قاہرہ: مکتبۃ الدعوۃ الاسلامیۃ، ص 40-52؛ وہبہ الزحیلی، **اصول الفقہ الاسلامی**، دمشق: دار الفکر، 1986ء، ج1، ص 453-470۔

17 بدر الدین الزرکشی، **البحر المحیط فی اصول الفقہ**، کویت: وزارت الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ، 1992ء، ج4، ص 255-270؛ وہبہ الزحیلی، **اصول الفقہ الاسلامی**، دمشق: دار الفکر، 1986ء، ج1، ص 453-470۔

18 محمد ابو زہرہ، **اصول الفقہ**، قاہرہ: دار الفکر العربی، ص 107-116؛ عبد العزیز البخاری، **کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی**، بیروت: دار الکتاب الاسلامی، ج2، ص 370-390۔

19 شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجۃ اللہ البالغۃ**، بیروت: دار الجیل، 2005ء، ج 1، ص 155-170؛ ابن تیمیہ، **رفع الملام عن الأئمۃ الأعلام**، ریاض: الرئاسۃ العامۃ لإدارات البحوث العلمیۃ والإفتاء والدعوۃ والإرشاد، ص 9-32۔

20 محمد بن علی الشوکانی، **إرشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الأصول**، تحقیق: احمد عزو عنایہ، بیروت: دار الکتاب العربی، 1999ء، ج 1، ص 136-151؛ نور الدین عتر، **منہج النقد فی علوم الحدیث**، دمشق: دار الفکر، 1997ء، ص 241-258۔

21 بدر الدین الزرکشی، **البحر المحیط فی أصول الفقہ**، کویت: وزارت الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ، 1992ء، ج 4، ص 255-270؛ وہبہ الزحیلی، **أصول الفقہ الإسلامی**، دمشق: دار الفکر، 1986ء، ج 1، ص 453-470۔

22 نور الدین عتر، **منہج النقد فی علوم الحدیث**، دمشق: دار الفکر، 1997ء، ص 241-258؛ ابن رجب الحنبلی، **شرح علل الترمذی**، تحقیق: نور الدین عتر، دمشق: دار الملاح، 1978ء، ج 1، ص 31-45۔

23 شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجۃ اللہ البالغۃ**، بیروت: دار الجیل، 2005ء، ج 1، ص 155-170؛ ابن تیمیہ، **رفع الملام عن الأئمۃ الأعلام**، ریاض: الرئاسۃ العامۃ لإدارات البحوث العلمیۃ والإفتاء والدعوۃ والإرشاد، ص 9-32۔

OPEN ACCESS